© rasailojaraid.com

سماجی مساوات کے بعض پہلو

(۲)

مولانا سلطان احمد اصلاحی

قدیم تفسیر وفقہ کی بعض جزئیات کی اصلاح

اسلام کے سماجی مساوات کی جو تشریح کی گئی ہے تفسیر وفقہ کی بعض تشریحات اس کے خلاف پائی جاتی ہیں، ان کی اصلاح ضروری ہے۔ اپنے کفر و شرک پر اصرار کرنے والی حضرت نوحؑ کی قوم کا آپؑ پر ایمان نہ لانے کا ایک عذر قرآن نے یہ نقل کیا ہے:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ (شعراء: ۱۱۱)

انھوں نے کہا کہ ہم تم پر کس طرح ایمان لائیں جبکہ اراذل تمہارے پیرو کار ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں 'ارذلون' کی تفسیر بنکر اور موچی سے کی گئی ہے۔

(الارذلون) السفلة كالحاكة والأساكفة [1]

'اراذل' یعنی کہ پست لوگ جیسے کہ پارچہ باف (بنکر) اور موچی۔

دوسرے موقع پر قوم نوح کا یہ اعتراض کتاب اللہ میں ان لفظوں میں ہے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ..... مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ..... (ہود: ۲۷)

اس پر ان کی کافر قوم کے بڑے لوگوں کا کہنا تھا کہ ..... ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ظاہر نظر میں جو ہمارے اراذل ہیں وہی تمہارے پیرو کار ہیں۔

یہاں بھی 'اراذل' کی تفسیر یہی بیان کی گئی ہے:

---

[1] تفسیر الجلالین /۴۸۷، طبع جدید، موسسۃ الرسالہ بیروت، طبعہ اولی ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أسافلنا كالحاكة والأساكفة [1]	ہمارے پست لوگ جیسے کہ پارچہ باف (بنکر) اور موچی۔

جب کہ "ملأ قوم" کو اشراف سے تعبیر کیا گیا ہے:

(فقال الملأ الذين كفروا من قومه) وهم الأشراف [2]	(اس پر ان کی کافر قوم کے بڑے لوگوں کا کہنا تھا) یہ ان کے سربرآوردہ اور اشراف تھے

فقہ میں بھی اس تفسیر کا اسی طرح تذکرہ ہے۔

قوله تعالىٰ: "قالوا أنؤمن لك واتبعك الأرذلون" قال المفسرون: كانوا حاكة [3]	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: انھوں نے کہا کہ ہم تم پر کس طرح ایمان لائیں جبکہ اراذل تمہارے پیروکار ہیں، مفسرین نے کہا کہ یہ لوگ پارچہ باف (بنکر) تھے۔

فقہِ حنفی میں بھی اس کا ایسا ہی بیان ہے:

..... وجاء في تفسير قوله تعالىٰ: واتبعك الأرذلون انهم الحوكة [4]	اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور اراذل تمہارے پیروکار ہیں، اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ یہ لوگ پارچہ باف (بنکر) تھے۔

پہلے حوالے میں اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ بنکری کا یہ پیشہ ذلیل ہے، چنانچہ اوپر کے ٹکڑے کے بعد اس پر اضافہ ہے:

قال المفسرون: كانوا حاكة ولم ينكر عليهم هٰذه التسمية [5]	مفسرین نے کہا کہ یہ لوگ پارچہ باف (بنکر) تھے اور اللہ نے یہ نام دئے جانے پر ان کی کوئی زجر و توبیخ نہیں کی۔

---

[1] جلالین /۲۸۸، محولہ بالا [2] حوالہ سابق

[3] الشربینی الخطیب الشافعی م ۹۷۷ھ: مغنی المحتاج الیٰ معرفۃ معانی الفاظ المنہاج: ۳/ ۱۶۷، طبع جدید، دار النفائس، الریاض مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء [4] ابن البزار الحنفی م ۸۲۷ھ: الفتاویٰ البزازیہ المسماۃ بالجامع الوجیز علیٰ ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الہندیہ: ۵/ ۱۳۹، طبع جدید، مکتبہ حقانیہ، پشاور، پاکستان [5] مغنی المحتاج، حوالہ بالا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشوں کی دنائت کو مطلق تسلیم کر لینے کے بعد یہ اشکال پیدا ہوا کہ ' بکری چرانے کا پیشہ بھی ' پست پیشوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کہ یہ انبیاء کی سنت رہی ہے[1] اس کا جواب یہ دیا گیا کہ :

فإن قيل كيف يعد	اگر یہ کہا جائے کہ کس طرح جانوروں کا چرانا
الرعي من الحرف الدنيئة	پست پیشوں میں شمار کیا جائے گا جب کہ
مع انها سنة الأنبياء في	اپنے ابتدائی دور میں یہ حضراتِ انبیاء کی سنت
ابتداء امرهم أجيب بأنه	رہی ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے
لا يلزم من ذلك كونه صفة	یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے حق میں
مدح لغيرهم، ألا ترى	کسی تعریف کا باعث ہو ۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے
أنّ فقد الكتابة في حقّه	ہو کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم
عليه الصلوٰة والسلام	کا لکھنا نہ جاننا ان کے حق میں معجزہ ہے '
معجزة، فتكون صفة مدح	اور اس طرح ان کے حق میں یہ تعریف کا
في حقّه ، وفي حق غيره	باعث ہے ، جب کہ دوسرے کے حق میں
ليست كذلك[2]	یہ ایسا نہیں ہے ۔

اس کے بعد یہ لے یہاں تک آگے بڑھی کہ ولیمہ میں عدمِ حاضری کا اسے ایک معقول عذر تسلیم کیا گیا :

من عذرات عدم حضور	ولیمہ میں عدمِ شرکت کے معقول عذروں
الوليمة فيها وجود من	میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں ایسے لوگ
يتأذّى به كالأراذل[3]	موجود ہوں جن سے کہ آدمی کو تکلیف پہنچے ،
	جیسے کہ سماج کے پست اور ذلیل لوگ ۔

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد : ما بعث اللہ نبیًا الا رعی الغنم ، (اللہ نے جو نبی بھی بھیجا اس نے بکری ضرور چرائی ہے) اسی میں آگے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں بکریاں چرانے کا تذکرہ ہے ۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الاجارہ ، باب رعی الغنم علی قراریط ۔ نیز صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الاشربہ ، باب فضیلۃ الاسود من الکباث ۔ عامرہ ، مصر ۔ ایضاً موطا امام مالک جلد ۲ کتاب الجامع ، باب ما جاء فی امر الغنم ۔ مکتبۃ تجاریہ کبریٰ ، مصر ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء ۔ [2] مغنی المحتاج : ۳/ ۱۶۷ ، محولہ بالا [3] حوالہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان غلط تصورات کی بنیاد پر ہندوستان کے دورِ زمین داری و جاگیرداری میں کلمہ گویوں نے دوسرے کلمہ گویوں کی دعوتوں میں شرکت کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھا۔ تفسیر و فقہ کی یہ پوری گفتگو نظرِ ثانی کی طالب اور قابلِ اصلاح ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے بیان میں اگر 'ارذلون' کی یہ تفسیر درست بھی ہو کہ اس سے مراد بنکر اور موچی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ بعد میں عذابِ الٰہی کا شکار ہونے والے قومِ نوحؑ کے کفّار و مشرکین کے اس بیان کو یہ اعتبار کب سے حاصل ہو گیا کہ اس کی بنیاد پر کسی پیشے کی عزت اور ذلّت کا فیصلہ کیا جائے؟ اگر اس کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ اوپر کہا بھی گیا ہے کہ قرآن نے برسرِ موقع اس کی تردید نہیں کی تو یہ تردید ہر جگہ دوسرے پیغمبروں کے علاوہ اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بھی برسرِ موقع نہیں ہے جہاں عرب کے کفّار و مشرکین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'ساحر' اور 'مجنون' کہا گیا ہے[1] برسرِ موقع اس تردید کے نہ ہونے سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپؐ خاک بدہانِ آں جہلا، پاگل اور جادوگر نہیں ہو گئے تو قومِ نوحؑ کے اس بیان سے ان کے بنکر اور موچی پیروکاروں کا ذلیل اور پست ہونا کیوں مسلّم ہو۔ اس تفسیر کی دوسری کمزوری اس کے علاوہ ہے۔ حضرت نوحؑ تو خود قرآن کی صراحت سے نجاری کے پیشے سے وابستہ تھے[2] اشراف و اراذل کی روایتی بحث میں یہ پیشہ بھی کوئی استثنائی اور قابلِ اعزاز و اکرام نہیں، تو ان لوگوں نے ان کو کیوں معاف کر دیا اور ان کی پستی کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ آگے چرواہی کے پیشے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ قرآن میں دوسرے مواقع پر اس کی تردید کی گئی ہے (قلم: ۲، ذاریات: ۵۲، ۵۳) تو کسی مخصوص برادری یا طبقے کے بذاتِ خود ذلیل اور کم تر ہونے کی بھی ایسی ہی تردید قرآن میں موجود ہے جہاں اس نے آدمی کے تقویٰ اور خوفِ خدا کو عزت و کرامت کی اصل بنیاد تسلیم کیا ہے (حجرات: ۱۳) دوسرے مواقع پر بھی یہ تردید اسی طرح موجود ہے جہاں بحیثیتِ مجموعی انسانی برادری کو قابلِ عزت و تکریم قرار دیا گیا ہے (اسراء: ۷۰)

[2] قرآن میں تو حضرت نوحؑ کے کشتی بنانے کا تذکرہ ہے ہی، دیگر ماخذ میں بھی ان کے بڑھئی ہونے کی صراحت ہے۔ ایک حوالہ کے لیے ہماری کتاب 'اسلام کا تصورِ مساوات' کی بحث 'پیشہ و حرفت'، نظرِ ثانی شدہ (منتظرِ طبع)، کشتی بنانے کی تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ: 'ابتدائے تاریخ کا تصور اور قرآن' کا عنوان 'کشتی نوحؑ'، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، طبع اول ۱۹۹۶ء، ۲۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'امّی' ہونے کی جو بات کہی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کمزور ہے۔ لکھنا نہ جاننا بکری چرانے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں تھا، جب کہ جیسا کہ گزرا حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ 'ہر نبی نے بکری چرائی ہے'، تو کیا دیگر انبیاء علیہم السّلام کے حق میں اسے عار اور دنارت کا باعث تصور کیا جاسکتا ہے؟ پھر دوسرے لوگوں کے سلسلے میں بکری چرانے جیسے دیگر پیشوں کو بھی ان کے حق میں موجبِ عار اور باعثِ ننگ نہیں ہونا چاہیے۔ اراذل کی موجودگی میں ولیمہ میں عدم شرکت کا جزئیہ اس سے بڑھ کر قابلِ رد ہے۔ قرآن میں اس کے بجائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کمزوروں کے ساتھ چمٹ کر رہنے اور نام نہاد شرکا (معززین) کو نظر انداز کرنے کا حکم ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (کہف: ۲۸)

اور (اے نبیؐ!) آپ ان لوگوں کے ساتھ لگ کر رہیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں اور (ذرا دیر کے لیے) آپ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹیں جس سے کہ آپؐ دنیوی زندگی کی زینت و آرائش کے طلبگار رہوں اور ان لوگوں کی بات نہ مانیں جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش نفس کے پیرو کار ہیں اور جن کا معاملہ راہِ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔

اسی طرح دوسرے موقع پر ارشاد ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ

اور (اے نبیؐ!) آپ ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ آپؐ کو ان کا حساب دینا ہے نہ ان کو آپؐ کا حساب دینا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ (انعام: ۵۲)

جس کی وجہ سے آپ ان کو اپنے سے دور کر دیں اور اس طرح ظلم کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔

آگے اصل بات فرمائی کہ یہ فرقِ مراتب وجہِ آزمائش ہے، اس لیے لوگوں کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ۝ (انعام: ۵۳)

اور اسی طرح ہم نے ایک کے ذریعہ دوسرے کو آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جو کچھ لوگ (دوسروں کے بارے میں) کہتے ہیں کہ آیا یہی لوگ ہیں جن کو ہمارے بیچ اللہ نے خاص انعام سے نواز رکھا ہے۔ کیا اللہ کو پتہ نہیں ہے کہ کون لوگ (اس کے) شکر گزار ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ناگزیر انسانی ضرورت کے بعض پیشوں کے پست ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور جیسا کہ تفصیل گزری، اللہ تعالیٰ کا یہ اس کے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ دنیا چلانے کے لیے اس نے مختلف طبیعتوں میں اس کے لیے آمادگی رکھی۔ بحیثیتِ مجموعی ان پیشوں کو باقی رہنا چاہیے اور شادی بیاہ کے معاملات میں ان کا لحاظ رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر، جیسا کہ اوپر کی گفتگو کا مقتضا ہے، پیشوں کو مطلق ذلت اور پستی کا موجب قرار دینا اور ان کو رذالت اور دناءت کی علامت قرار دینا کسی طرح سے درست نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ اسی صورت میں برآمد ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس وقت ہو بھی رہا ہے، کہ پیشہ وروں کی طرف سے اپنے پشتینی پیشوں کے چھوڑنے کا عمومی رجحان پیدا ہو جائے اور سماج اور معاشرہ ناقابلِ بیان عمرانی خرابیوں کا شکار ہو۔ آخری بات یہ کہ دورِ قدیم کے عرف میں اظہارِ خیال کے اس طرز اور اس سے متعلق اوپر کی جزئیات کی گنجائش ہو بھی تو دورِ حاضر کے بدلے ہوئے عرف میں یہ بالکل لائقِ تقلید اور قابلِ حوالہ باقی نہیں رہتا۔ جس اسلام کی تاریخ میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت بلال حبشیؓ کو اپنا 'سردار' کہیں اور تسلیم کریں[1]، اس اسلام کے سچے پیروکاروں کے لیے کسی مخصوص پیشے سے وابستہ مسلمان کے ولیمے میں اس کے کسی خاص پیشے کے حوالہ سے عدمِ حاضری کے لیے کوئی جواز نہیں پیدا ہوتا۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک عہدِ جدید کے اس نئے عرف کی سب سے بڑھ کر قدرداں ہے اور کھلے دل سے اس کا استقبال کرتی ہے۔

صدرِ اوّل کا نمونہ

اس اعتدال و توازن کی جھلک دیکھنی ہو تو ہمیں اسلام کے صدرِ اول کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنی چاہیے، جہاں ایک طرف اگر افضلِ امت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کی مجلس میں خلافت کے لیے مہاجرین اور قریش کے استحقاق کے حق میں ان کی اسلام میں سبقت، عرب کی سرزمین میں ان کی مرکزیت اور ان کی عددی اکثریت وغیرہ کے علاوہ ان کی خاندانی شرافت اور ظاہری وجاہت کو پیش کرتے ہیں:

نحن المهاجرون.....	ہم مہاجرین..... خاندانی اعتبار
وأكرم الناس أحسابًا	سے لوگوں میں سب سے زیادہ عزت دار،
وأحسنهم وجوهًا..[2]	اسی طرح ان میں ظاہری وجاہت اور حسن
	کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہیں۔

وہیں دوسری طرف خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا کردار ہے کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اور طاقتور حکمراں ہونے کے باوجود معاملات میں غلاموں کو اپنے برابر کے درجہ میں رکھتے ہیں، بلکہ بعض اوقات انھیں اپنے سے اوپر کر دیتے ہیں۔ جبکہ یہ اپنے وقت کا سب سے مظلوم، کمزور اور بے حیثیت طبقہ تھا اور سماجی حیثیت

---

[1] ہماری کتاب: اسلام کا تصورِ مساوات/ ۲۱۵، محولہ بالا

[2] الجاحظ: البیان والتبیین: ۳/ ۲۵۰، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، طبعہ ثالثہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اس سے بڑھ کر پست، دبا اور کچلا ہوا دوسرا کوئی گروہ نہ تھا۔ لیکن ان تمام مواقع پر نہ صرف یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ انھیں عزت اور برابری کا درجہ دیتے ہیں، بلکہ ایک طرح سے انھیں اپنے سے اوپر رکھتے اور آگے بڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپؓ (مدینہ سے) انتہائی گرم دن میں سر پر چادر ڈالے ہوئے (پیدل) نکلتے ہیں، تھوڑی ہی دور میں انھیں ایک غلام نظر آتا ہے جو اپنے گدھے پر سوار ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ سواری پر انھیں بھی بٹھالے۔ یہ سن کر غلام گدھے سے کود پڑتا ہے اور امیر المومنین سے اپنے سے آگے بیٹھنے کی خوشامد کرتا ہے۔ جب کہ ان کا اصرار ہوتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے بیٹھیں گے اور اس کے حق میں دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس طرح تم مجھ کو سخت جگہ پر بٹھا کر خود کو گداز جگہ پر رکھنا چاہتے ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گدھے کی اس سواری پر غلام آگے ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ اس کے پیچھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ مدینہ میں وہ اسی حالت میں داخل ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگوں کے حیرت و استعجاب کی انتہا نہیں رہتی ہے[1]۔ دوسرے واقعہ میں وہ اپنے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) اسلم کے ساتھ شام کا سفر کرتے ہیں۔ دونوں الگ الگ اونٹ پر سوار ہوتے ہیں منزل سے قریب ہوتے ہیں تو حضرت عمرؓ فاروق اعظم ایک ترکیب سے غلام سے اپنی سواری کا تبادلہ کر لیتے ہیں اور شام میں اس طرح داخل ہوتے ہیں کہ خلیفۂ وقت اور غلام میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ غلام کی طرف سے نشاندہی کرنے پر لوگوں کو اس کا پتہ چلتا ہے اور وہ آپس میں اس پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے کہ انھیں اس کا یقین ہی نہ آتا ہو[2]۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر خلیفۂ دوم کے شام کے تاریخی سفر کی روداد اس بھی زیادہ عبرت انگیز ہے۔ معلوم ہے کہ اس مہم میں مسلمانوں کا اس شہر کا محاصرہ بہت طویل ہو رہا تھا اور لوگ دونوں طرف سے بالکل تھک رہے تھے۔ اس پر اس شہر کے (عیسائی) باشندوں کی طرف سے پیش کش آئی کہ آپ لوگ

---

[1] ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطابؓ اول حاکم دیمقراطی فی الاسلام /۱۱۰، طبع مذکور نیز ملاحظہ ہو: ابن قیم الجوزیہ اغاثۃ اللہفان عن مصاید الشیطان: ۱/۱۲۱-۱۲۲، مصطفی البابی الحلبی واولادہ مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء تحقیق و تعلیق: محمد حامد الفقی

[2] حوالۂ سابق /۱۰۵-۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ مخواہ کے لیے اپنے کو تھکا رہے ہیں۔ ہمارے یہاں کتابوں میں اس شخص کی علامات صاف لکھی ہیں جس کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوگا، تو آپ لوگ اپنے خلیفہ کو بلا دیجئے۔ ہم ان کے اندر اگر یہ علامتیں دیکھ لیں گے تو اپنے آپ کسی جنگ کے بغیر ہم شہر کو آپ کے حوالے کردیں گے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت عمرؓ کو اس پوری صورتِ حال کی اطلاع دی جاتی ہے اور خلیفۂ دوم اپنے تاریخی سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ اس سفر کی یہ شان تو ہوتی ہی ہے کہ زادِ راہ میں جَو کا ستو، کھجور اور معمولی تیل ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ جو کرتہ زیب تن کیے ہوتے ہیں وہ پیوندوں سے بھرا ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں یہ عجوبہ بھی شامل ہوتا ہے کہ سفر میں حضرت عمرؓ کا ایک غلام ساتھ ہوتا ہے، لیکن سواری ایک ہی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں حضرات اس پر باری باری سوار ہوتے ہیں:

...... وکان معہ غلام لہ	.... اور ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا
یعاقبہ فی الرکوب نوبۃ	اور یہ دونوں (ایک ہی) سواری پر باری
بنوبۃ....	باری بیٹھتے تھے۔

جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوتا ہے کہ کبھی خلیفہ سواری پر ہوتے ہیں اور نیچے غلام پیدل چل رہا ہوتا ہے، اسی طرح اپنی باری پر غلام سواری پر ہوتا ہے اور خلیفۂ وقت سواری کی نکیل تھامے زمین پر پیدل چل رہے ہوتے ہیں۔ سفر کی یہی شان ہوتی ہے جب کہ وہ منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ شہر کے یہودی اور عیسائی جب یہ منظر دیکھتے ہیں تو وہ بے اختیار نعرۂ تکبیر بول پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں ہماری کتابوں کا یہی مصداق ہے۔ چنانچہ وہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے لیے اپنے آپ دروازے کھول دیتے ہیں:

..... فلما رآہ المشرکون	..... تو جب مبتلائے شرک اہل کتاب
من أھل الکتاب	لوگوں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو
کبّروا وقالوا ھٰذا	بے ساختہ وہ نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے اور
ھو وفتحوا لہ الباب[1]	آپس میں کہنے لگے ہاں بالکل یہ وہی ہیں اور انھوں نے حضرت عمرؓ کے لیے شہر کے دروازے کھول دئے

---

[1] الیافعی م ۷۶۸ھ: مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ ما یعتبر من حوادث الزمان ۱۱/۷۱-۷۲ دائرۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا ہی واقعہ قادسیہ کی فتح کے موقع کا ہے۔ قاصد کے ذریعہ جب حضرت عمرؓ کو دشمن کی شکست کی اطلاع مل جاتی ہے تو اس سلسلے کی دوسری تفصیلات جاننے کے لیے وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں، دراں حالیکہ وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے اور ان کو پہچانتا بھی نہیں ہے۔ اس کے ہوش اس وقت اڑتے ہیں جب کہ اسی حال میں وہ مدینہ میں داخل ہوتا ہے اور لوگ امیر المومنین امیر المومنین کہہ کر حضرت عمرؓ کو سلام کرتے ہیں۔ اس پر قاصد شرمساری کے ساتھ کہتا ہے کہ آپ نے مجھے پہلے ہی بتایا ہوتا کہ آپ امیر المومنین ہیں تو مجھ سے یہ گستاخی نہ ہوتی۔ حضرت عمرؓ اس کو اطمینان دلاتے ہیں کہ نہیں اس میں شرمندگی اور معذرت کی کوئی ضرورت نہیں ہے[۱]

اس واقعہ میں اگرچہ اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ قاصد کسی نیچی قوم اور کسی پست قبیلے کا فرد تھا، تاہم اس سے اسلام کی بے نظیر مساوات پسندی کا ضرور اندازہ ہوتا ہے، جب کہ آج کے نام جمہوری دور میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بعد کے زمانہ کی مثال حضرت امام اعظم ابو حنیفہ م ۱۵۰ھ کی ہے، جو صاف لفظوں میں اپنے بارے میں اعلان کرتے ہیں کہ وہ عربوں کے برابر نہیں ہیں[۲] لیکن اس کے باوجود عرب ہوں کہ عجم، امت مسلمہ کی غالب ترین اکثریت (۲/۳) ان کے مسلک کی پیروکار ہے اور فقہ میں ان کو اپنا امام اور مقتدا تسلیم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ امام اعظمؒ جیسے کہ ان کے نام کا حصہ ہو گیا ہے۔ اسلام کے ماننے والوں میں یہ ترکیب جب مطلق بولی جائے تو اس سے مراد یہی عجمی النسل حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ ہوتے ہیں جو پوری

= المعارف انتظامیہ، حیدرآباد الدکن ۱۳۲۲ھ، طبعہ اولیٰ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی شاہ کار ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: ۲۱۷/۳ - ۲۱۸، میں اس واقعہ کو اسی حوالے سے نقل کیا ہے۔ طبع کراچی، محولہ بالا۔

۱؎ ابن جوزی: سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۱۰۴، محولہ بالا

۲؎ السرخسی م ۴۸۳ھ: المبسوط: ۲۳/۴، طبع جدید، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، طبعہ اولیٰ۔ اس موقع پر عبارت کا عربی متن ہے: ابو حنیفہ لم یر نفسہ کفو اللعرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکساری کے ساتھ اپنے کو عربوں کے برابر نہیں مانتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے دوسرے امام، امام دارالہجرۃ حضرت امام مالکؒ م ۱۷۹ھ کی مساوات پسندی کا عالم تھا کہ انھیں اپنی مجلسِ درس میں شاہزادوں اور غیر شاہزادوں کے درمیان فرق و امتیاز گوارا نہ تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کی خواہش کے باوجود وہ اس کے دو شاہزادوں محمد امین اور عبداللہ مامون کے لیے اپنی مجلسِ درس سے عام طلبہ کو الگ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ان شاہزادوں کے ساتھ خود خلیفہ ہارون رشید کو مسند کے بجائے سب لوگوں کے ساتھ نیچے بیٹھنا پڑا۔ یہ واقعہ ۱۷۴ھ کا ہے[۱] اس سے پہلے ایسا ہی معاملہ ہارون رشید کے باپ مہدی م ۱۶۹ھ کے زمانہ میں ہارون اور اس کے بھائی موسیٰ کے ساتھ امام موصوف کا پیش آچکا تھا اور وہاں بھی ان کا رویہ اس سے مختلف نہیں تھا۔[۲] آج بھی دنیا کو کھوکھلے دعووں کی نہیں سماجی مساوات کے ایسے عملی نمونوں کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، جو لوگ رسم کے بجائے حقیقت پر نگاہ رکھتے ہیں، وہ سماجی مساوات کے معاملے میں اسلام کے اسی اعتدال و توازن میں امت اور انسانیت کی نجات اور فوز و فلاح دیکھتے ہیں جو صدرِ اول کی اس تاریخ میں نظر آتی ہے اور جس کے نمونے کم و بیش آج بھی مسلمان معاشرے میں ہر جگہ موجود ہیں اور ان شاء اللہ اسی طرح قیامت تک موجود رہیں گے۔ قوم، قبیلے اور ذات برادری کی الگ پہچان اور ممتاز شناخت کے ساتھ عمل کی دنیا میں ہر شخص کو برابری اور مساوات کا درجہ ملے، یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ بے حقیقت، غیر فطری بے ذات معاشرے کی مصنوعی اور فرضی مساوات کا ڈھول پیٹا جائے اور عمل کی دنیا میں مختلف طبقات کو ظلم و ناانصافی اور بے رحم نابرابری کی چکی میں پیسا جائے، جیسا کہ آج وطنِ عزیز اور اس سے باہر پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں دلت طبقہ ناقابلِ بیان مصائب سے دوچار ہے۔ امریکہ اور یورپ میں وہاں کی سیاہ فام آبادی کی خیر نہیں ہے۔ اسی طرح اس

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی م ۱۹۵۳ء حیاتِ امام مالک/ ۷۵، ۷۶، مکتبۃ الشرق، آرام باغ کراچی ۱۳۷۶ھ اس پورے واقعہ کو مولانا نے منظوم بھی کردیا ہے جسے اس کتاب کے صفحات ۷۹، ۸۰ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ حیاتِ امام مالک/ ۷۴۔ ۷۵، محولہ بالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرزمین میں یہودیوں اور مسلمانوں کے ساتھ بدترین امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

آخر میں اس سلسلے کے ایک اشکال کا جواب دینا ضروری ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی مشہور حدیث میں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ قرار دی ہے کہ:

..... وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان [1]	..... اور یہ کہ تم ننگے سر ننگے پاؤں پھٹے حال بکری کے چرواہوں کو دیکھو کہ وہ لمبی لمبی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگیں۔

'عائل' کی جمع 'عالۃ' کے معنی محتاج۔ رعا، 'ر' کے زیر کے ساتھ اور آخر میں ہمزہ۔ دوسری روایت میں یہ 'ر' کے پیش اور آخر میں گول 'ۃ' 'رعاۃ'۔ دونوں ہی کے معنی ہیں: دیہاتی اور ان جیسے غریب اور محتاج لوگ' أھل البادیۃ وأشباھھم من أھل الحاجۃ والفاقۃ [2] تو کیا اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ اسلام کو اپنے غریب اور کمزور طبقات کی خوش حالی اور ترقی پسند نہیں ہے اور وہ ہر حال میں انھیں غریب اور مفلوک الحال ہی دیکھنا چاہتا ہے اور ان کی بلند و بالا عمارتیں اس کو پسند نہیں آتی ہیں اور اس سے اس کو خوشی نہیں ہوتی ہے۔ عرب کے سماج میں سب سے کمزور اور پست حال ان کا ہی بادیہ نشین طبقہ تھا۔ اسی پر آج کے، دنیا کے تمام طرح کے پست دبے اور کچلے طبقات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حدیث بالا کا منشا یہ نہیں ہے۔ اس روایت میں

---

[1] صحیح مسلم مع شرحہ للنووی: ۱/۱۵۸، کتاب الایمان، باب امارات الساعۃ۔ طبع جدید دارالریان للتراث، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی نسبۃً مختصر روایت میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ یہاں اس کے الفاظ ہیں واذا تطاول رعاۃ الابل البھم فی البنیان۔ (جب تم دیکھو کہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنانے لگیں) صحیح بخاری مع شرحہ فتح الباری: ۱/۱۱۴۔ کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام الخ دار الباز بمکۃ المکرمہ، طبع جدید۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلق قیامت کی علامتوں کا بیان ہے۔ اس میں بیان کردہ دیگر مختلف دفعات کی طرح اوپر کی دفعہ کا بھی یہ بالکل مطلب نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں یہ ناپسندیدہ ہے اور وہ اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں۔ صحیح مسلم کے مشہور شارح امام نووی م ۶۷۶ھ آج سے آٹھ سو سال پہلے اس مسئلہ کو حل کر چکے ہیں۔ روایت کے دیگر اجزاء کی تشریح اور وضاحت کے ساتھ وہ خلاصۂ بحث کے طور پر کہتے ہیں۔

....فإنه ليس كلّ ما أخبر صلى الله عليه وسلم بكونه من علامات الساعة يكون محرّمًا أو مذمومًا فإنّ تطاول الرعاء في البنيان وفشو المال ...... ليس بحرام بلا شك، وإنّما هذه علامات، والعلامة لا يشترط فيها شيء من ذلك، بل تكون بالخير والشر والمباح والمحرم والواجب وغيره والله أعلم[1]

..... ایسا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی چیزوں کو قیامت کی علامتوں سے قرار دیا ہے ان میں سے ہر چیز لازمًا حرام اور ناپسندیدہ ہو اس لیے کہ چرواہوں کا لمبی عمارتیں بنوانا اور ان کے یہاں مال و دولت کی فراوانی ..... کسی شک و شبہ کے بغیر حرام نہیں ہے۔ یہ تو صرف اور صرف علامتوں کا بیان ہے اور علامت میں اس طرح کی کوئی شرط مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں بھلائی اور برائی، جائز اور حرام اور واجب ہر ایک کا یکساں احتمال ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری جگہ یہ روایت ان لفظوں میں بھی ہے:

وإذا كان الحفاة العراة الصمّ البكم رؤس الناس[2]

اور جب ننگے پاؤں ننگے سر اور گونگے بہرے لوگوں کے سردار بن جائیں۔

اس کی شرح میں بھی وہی اوپر والی بات کہی گئی ہے، یعنی کہ اس بیان میں کوئی

---

[1] نووی شرح مسلم : ۱/۱۵۹، محولہ بالا

[2] فتح الباری مع صحیح البخاری : ۱/۱۲۳، طبع مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برائی اور مذمت کا پہلو نہیں ہے۔ یہ صرف تبدیلیٔ احوال کا بیان ہے کہ قربِ قیامت کے وقت ایسا اور ایسا ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہ ایسا ہونا اسلام اور آخری شریعت کو لازماً ناگوار اور ناپسندیدہ ہے۔ اوپر گونگے اور بہرے ''الصمّ البُکم'' جو کہا گیا ہے اس کا مطلب ان کی بڑھی ہوئی جہالت اور بے خبری کا بیان ہے، یعنی گو کہ ان کے یہ اعضاء صحیح سالم اور بالکل درست ہوں گے لیکن خاص طور پر اپنے دین کے معاملے میں جونکہ وہ ان کا بالکل استعمال نہیں کریں گے، اس کے نتیجے کے طور پر انھیں گونگا اور بہرا کہے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ''رؤس الناس'' کا مطلب ہے زمین کا بادشاہ ''ملوک الارض''۔ ۱؎ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ م ۸۵۲ھ نے یہاں اس مسئلہ کو مفسرِ قرآن علامہ قرطبیؒ م ۶۷۱ھ کے حوالہ سے حل کیا ہے۔ علامہ موصوف اس حدیث کی شرح میں کسی منفی تبصرے کے بغیر کہتے ہیں۔

قال القرطبي: المقصود الإخبار عن تبدّل الحال بأن يستولي أهل البادية على الأمر ويتملكوا البلاد بالقهر فتكثر أموالهم وتنصرف هممهم إلى تشييد البنيان والتفاخر به، وقد شاهدنا ذلك في هذه الأزمان ۲؎	قرطبی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف تبدیلیٔ احوال کا پتہ دینا ہے، یعنی کہ دیہاتی اور بدو لوگ زبردستی حکومتوں کے مالک اور ملکوں پر قابض ہو جائیں گے۔ اس طرح ان کی دولت غیر معمولی طور پر بڑھ جائے گی اور وہ پختہ عمارتوں کی تعمیر کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہوگا۔ جیسا کہ آج کے زمانہ میں ہم اسے اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

۱؎ حوالہ سابق ۲؎ حوالہ مذکور۔ اس مضمون کو تقویت حدیث کے دوسرے الفاظ سے ملتی ہے جس میں شہری دیہاتی اور گنوار اور عالم کے کسی فرق کے بغیر مطلق لوگوں کے لمبی عمارتیں بنانے کو قربِ قیامت کی علامات سے شمار کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی اس سلسلے کی طویل حدیث کا متعلق ٹکڑا ہے: "حتی یتطاول الناس فی البنیان" (اور یہاں تک کہ "لوگ" لمبی لمبی عمارتیں بنانے لگیں) بخاری جلد ۴۔ کتاب الفتن، باب بلا ترجمہ بعد باب خروج النار ص ۴۲۲۔ طبع مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تفصیل سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ اسلام سماج کے کمزور طبقات کی معاشی اور سیاسی ترقی کا مخالف نہیں ہے۔ آج کے حالات میں یہ وہی طبقات ہیں جن کو دبی کچلی اور غریب اور پسماندہ ذات اور برادریوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ لکھیں پڑھیں، ان کی معاشی ترقی ہو اور یہ سیاست میں حصہ دار بنیں، یہ اسلام کی نظر میں ہر طرح سے پسندیدہ ہے اور وہ پوری طرح سے اس کی تائید اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسی کے آئینے میں اس مضمون کی دیگر روایات واحادیث کا مسئلہ صاف ہوتا ہے۔ جب کہ عام طور پر ان کا مفہوم غلط لیا جاتا ہے اور اپنے صحیح محل سے ہٹا کر ان کی تشریح اور تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ روایات بھی قیامت سے پہلے فتنہ کے زمانہ سے متعلق ہیں جس میں یہ امت طرح طرح کی مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہو گی، انہی میں سے ایک یہ کہ:

وساد القبیلۃ فاسقھم	قبیلہ کا فاسق اس کا سردار ہوگا اور قوم
وکان زعیم القوم	کا سب سے پست آدمی اس کا لیڈر ہوگا
أرذلھم وأکرم الرجل	اور آدمی کی عزت صرف اس وجہ سے کی
مخافۃ شرہ [1]	جائے گی کہ کہیں اس سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے

اسی طرح قیامت سے پہلے کا ایک ہولناک مرحلہ وہ ہوگا جس میں آدمی کو دوسروں کی اصلاح اور دوسروں کی فکر کے بجائے اپنی فکر اور اپنے دین وایمان کی خیر منانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی پس منظر میں مسند احمد کی روایت ہے:

عن انس بن مالک	حضرت انس بن مالکؓ کی روایت
قیل یا رسول اللہ متی	ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ندع الائتمار بالمعروف	سے پوچھا گیا کہ ہم بھلائی کا حکم دینا اور
ونھی عن المنکر	منکر سے منع کرنا کب چھوڑ دیں؟

اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] جامع الترمذی جلد ۲ ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۴، باب بلا ترجمہ تحت باب: ماجاء فی اشراط الساعۃ۔ رشیدیہ دہلی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا ظہر فیکم	جب تم میں بھی وہی
ماظہر فی بنی اسرائیل،	کچھ ہونے لگے جو کہ بنی اسرائیل میں ہو چکا
اذا کانت الفاحشۃ فی	ہے۔ جب تمہارے بڑے بدکاری میں
کبارکم والملک فی	ملوث ہو جائیں، حکومت تمہارے چھوٹے لوگوں میں
صغارکم والعلم فی رذالکم[1]	چلی جائے اور علم تمہارے پست لوگوں کے حصے میں آجائے

ان روایات میں 'ارذل' 'رذال' اور 'صغار'[2] کے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مطلب عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ چھوٹی قوموں اور چھوٹی برادریوں میں جب یہ اور یہ باتیں پیدا ہو جائیں گی تو امت آزمائشوں سے دوچار ہو جائے گی اور قیامت قریب ہوگی۔ لیکن ان الفاظ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا۔ پہلی روایت میں دوسرے اجزاء سے خود اس کی تردید ہوتی ہے۔ قوم کا رہنما اس کا ارذل ہوگا 'وکان زعیم القوم أرذلھم' اس سے آگے اور پیچھے ہے قبیلہ کا سردار اس کا فاسق ہوگا 'وساد القبیلۃ فاسقھم' نیز یہ کہ آدمی سے اس کے شر اور فتنہ جوئی کی وجہ سے ڈرا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ 'واکرم الرجل مخافۃ شرہ' سوال یہ ہے کہ جب قبیلہ کے فاسق سردار اور معزز و محترم شریر کا کسی خاص قبیلے اور برادری کا ہونا ضروری نہیں ہے تو بیچ کے قوم کے ارذل رہنما ہی کا کسی خاص طبقے اور ذات سے تعلق ہونا کیوں ضروری ہوگا؟ پس ان ناپسندیدہ قائدین اور رہنماؤں کا کسی خاص قوم قبیلے اور ذات برادری ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ ہر قبیلے اور ہر برادری سے متعلق ہوں گے۔ ہوگا یہ کہ صرف یہی ہوں گے، انہی کی چلے گی اور معاملات دنیا کے سیاہ و سفید کے یہی مالک ہوں گے۔

---

[1] مسند احمد: ۳/۱۸۷، میمنیہ، مصر

[2] اوپر مسند احمد کی روایت میں صغیر کی جمع 'صغار' کا ایک مطلب کمسن اور کم عمر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں قیامت سے قریب ایسے کم عمروں کی امامت اور قیادت کو ایک فتنہ اور بچوں کی امارت 'امارۃ الصبیان' سے پناہ مانگنے کی تلقین ہے۔ نعوذ و اباللہ من .... ومن امارۃ الصبیان۔ مسند احمد: ۲/۳۲۶، ۳۵۵، ۴۴۸۔ لیکن اس مقام پر زیادہ قرائن اس کے بجائے پست اور کم تر لوگوں کے مفہوم کے حق میں ہیں اور ہم اسی کی ترجیح کے قائل ہیں۔ دوسرے موقع پر یہی مضمون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے ہے: ان اللعنۃ تکون =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری روایت کا مفہوم بھی اس کی روشنی میں واضح ہے۔ اس میں بھی 'کبار' 'صغار' اور 'رذال' کی جو بات کہی گئی ہے، وہ قوم قبیلے اور ذات برادری کی تخصیص کے ساتھ نہیں ہے۔ "کبارکم" کا مطلب صرف سوسائٹی کا اونچا طبقہ ہے، وہ کسی بھی طبقے اور برادری سے تعلق رکھتا ہو لیکن اس وقت وہ ابھر کر اس اونچی جماعت میں شامل ہو گیا ہو۔ اسی طرح روایت کے 'صغار' اور 'رذال' (چھوٹے اور رذیل) کے الفاظ بھی مطلق ہیں، یہ کسی مخصوص ذات اور برادری کے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اونچی اور نچلی ہر ذات برادری میں یہ بکھرے ہوئے ہیں اور انہی چھوٹوں اور رذیلوں کا مجموعہ ہوگا جو حکومت و اقتدار اور علم و فن کی دنیا پر چھایا ہوا ہوگا جس کے بعد قیامت کے آنے میں دیر نہ ہوگی، جیسا کہ آج سر کی آنکھوں سے اس حقیقت کو دیکھا جا سکتا ہے، آج کے دورِ فتنہ میں حکومت اور علم پر جن چھوٹوں اور رذیلوں کی اجارہ داری ہے اور جن کی لائی ہوئی آفتوں سے مسلمان ہوں کہ غیر مسلم سب کے سب پریشان اور تباہ حال ہیں، یہ صغار و ارذال کسی خاص برادری سے ہی متعلق نہیں ہیں، مسلمان ہوں کہ غیر مسلم ان سبھی کے اشراف و ارذال ان میں یکساں طور پر شامل ہیں، بلکہ بسا اوقات ان پر ایک کی حصہ داری دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ اس میں کچھ شبہ اور تحفظ ہو تو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذیل کی روایات سے وہ رفع ہو جاتا ہے، جن میں کسی

ی فی الارض إذا کان أمراؤها الصبیان (زمین میں اس وقت لعنت ہی لعنت ہوگی جب کم سن اور کم عمر اس کے امیر ہوں گے) مسند احمد: ۳/۲۸، ۲۹، ۴۴۔

اس مضمون کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث سے یہ نکتہ مزید صاف ہوتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا قیامت سے پہلے اس امت کی ہلاکت یا اس کے فساد اور بگاڑ کو قریش کے بگڑے ہوئے ناسمجھ نوجوانوں سے وابستہ کیا گیا ہے: إن هلاك أمتي أو فساد أمتي رؤوس، أمراء أغيلمة سفهاء من قريش، مسند احمد: ۲/۲۹۹۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس کی علامت کے طور پر جو برے لوگ اس دنیا پر قابض اور حکمراں ہوں گے وہ ہر حال میں چھوٹی ذات برادری ہی کے لوگ نہ ہوں گے، بلکہ یہ قریش کے بگڑے ہوئے لوگ ہی ہوں گے جن سے بڑھ کر خاندانی عزت اور شرافت کی حامل دنیا کی کوئی دوسری ذات برادری ہوئی ہے نہ قیامت تک ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذات برادری کی قید کے بغیر مطلق نالائقوں اور نااہلوں کی سرداری اور ان کی حکمرانی کو قرب قیامت کی علامتوں سے قرار دیا گیا ہے:

والذی نفسی بیدہ	اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری
لاتقوم الساعة حتی	جان ہے ..... قیامت نہیں آسکتی جب
..... ویرث دنیاکم	تک کہ تمہارے بدتر لوگ تمہاری دنیا کے
شرارکم [1]	مالک نہ بن جائیں۔

نیز یہ کہ:

إذا ضُیّعت الأمانة فانتظر	جب امانت ضائع ہو جائے تو تم قیامت کا
الساعة	انتظار کرو۔

جس کی آگے آپؐ نے ان لفظوں میں وضاحت فرمائی:

إذا أُسند الأمر إلی غیر	جب حکومت نااہلوں کے ہاتھ میں
أهله فانتظر الساعة [2]	آجائے تب تم قیامت کا انتظار کرو۔

کتاب اللہ کی طرح اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بھی ایک دوسرے کی مفسّر اور شارح مانیں، جیسا کہ اسے ماننا ضروری ہے تو ان روایات کی روشنی میں پچھلی روایات کا مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو جاتا ہے اور ان سب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ اسلام ایک نجات دہندہ تحریک ہے۔ اس میں قوم، قبیلے اور ذات برادری کے نام پر کسی تفریق اور امتیاز کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ تحریک بے لاگ برابری اور 'مساوات' کی تحریک ہے اور زندگی کے ہر دائرے میں اس اصول کی بالادستی کا قیام اس کی اوّلین ترجیحات سے ہے۔

---

[1] جامع الترمذی جلد ۲ ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعة۔ یہی مضمون جامع ترمذی اور مسند احمد کی اس روایت کا ہے جس میں مطلق 'کمینوں کی خوش بختی اور ان کے اثر و اقتدار کو قیامت کی علامات میں شمار کیا گیا ہے۔ لاتقوم الساعة حتی یکون أسعد الناس بالدنیا لُکَع بن لُکَع، نیز لاتذهب الدنیا حتی تصیر للکع بن لکع، حوالہ بہ ترتیب: جامع ترمذی، حوالہ سابق نیز مسند احمد: ۳۲۶/۲، لُکَع، لام کے پیش اور کاف کے زبر کے ساتھ، ابتداءً اس کا استعمال مزدور غلام کے لیے رہا ہے لیکن بعد میں یہ مطلق حماقت، ملامت اور کمینگی کے لیے عام ہے کہ جس سے متصف شخص کو لکع کہا جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ آزاد ہو یا غلام۔ ابن اثیر جزری م ۶۰۶ھ: النہایہ فی غریب الحدیث ۲۶۵/۴، مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۳۱۱ھ نیز علامہ محمد طاہر پٹنی م ۹۸۶ھ: مجمع بحار الانوار ۲۶۶/۴ منشی نول کشور المطبع العالی ۱۲۸۳ھ۔ [2] صحیح البخاری جلد ۲، کتاب الرقاق، باب رفع الامانة، نیز بخاری جلد ۱، کتاب العلم، باب من سئل علما وهو مشتغل فی حدیثه الخ مزید: مسند احمد: ۳۶۱/۲۔ البتہ یہاں الفاظ ہیں: إذا توسّد الأمر غیر أهله فانتظر الساعة

م ۷۱

© rasailojaraid.com